فصل دوم

غیر سرکاری تنظیمیں (NGOs)

یہ ایک فطری امر ہے کہ غالب تہذیبیں دنیا کو نئی اصطلاحات اور طرزِ زندگی عطا کرتی ہیں۔ اسلامی تہذیب غالب تھی تو یہ کام اس نے کیا' اور آج مغرب کا بول بالا ہے تو اس کا طرزِ زندگی اور اصطلاحیں باقی دنیا اپنا رہی ہے۔ ان نئی اصطلاحات اور مظاہر میں سے ایک غیر حکومتی تنظیمیں یا این جی اوز (NGO's) ہیں، جن کا پورا انگریزی نام (Non-Government Organizations) ہے۔

این جی اوز کا تاریخی پسِ منظر

رفاہِ عامہ کے لیے رضا کارانہ خدمات سر انجام دینے کا تصور بہت پرانا ہے۔ اسلامی تاریخ میں تو رفاہی وغیر سرکاری تنظیموں کے تذکروں کی کمی نہیں ہے۔ ان اداروں نے بڑے بڑے تعلیمی ادارے ہسپتال' سڑکیں' پُل اور فراہمی آب کے نظام انفرادی و اجتماعی سطح پر قائم کیے۔ وقف کا نظام دورِ اسلام کے آغاز سے ہی چلا آرہا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی قیمتی جائیدادیں وقف کیں۔ ان کے یہ اوقاف اپنی خدمات صدیوں تک انجام دیتے رہے۔

عباسی عہد کے عروج کے دور میں بغداد اور سپین میں وقف کے تحت بڑے بڑے ہسپتال اور تعلیمی ادارے قائم ہوئے جہاں یونیورسٹی تک کے طلباء کو مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ اسلامی عہد میں عموماً مقامی سطح پر ہی بہبود کے کام جاری و ساری رہے اور کبھی ملک گیر قومی سطح کی تنظیم کا نشان نہیں ملتا۔ انسانی تمدن کے ارتقاء اور سرعت رفتار ذرائع مواصلات نے دنیا کو میکلوین کی اصطلاح میں گلوبل ویلج (عالمی گاؤں) بنا دیا ہے۔ انفرادی سطح پر مختلف امور میں پائی جانے والی خدمات اجتماعی' قومی اور بین الاقوامی افق پر اپنا مقام بناتی چلی گئیں[۱]۔

موجودہ این جی اوز کا تعارف

'این جی او' ہر اس تنظیم یا ادارے کو کہتے ہیں جو متعین مقاصد کے حصول کے لیے کوشاں ہو اور جس کے انتظامی اور مالیاتی امور حکومتی اثرات سے آزاد ہوں۔ اس عمومی تعریف کی رو سے سیاسی جماعتیں' مزدور اور پیشہ ور تنظیمیں' تجارتی اور ثقافتی انجمنیں اور دیگر تنظیمیں فی الحقیقت غیر سرکاری تنظیمیں ہیں۔ تاہم' غیر سرکاری تنظیموں کے مخصوص پس منظر' مقاصد اور طریق کار کی روشنی میں ان کی تعریف یوں کی جاتی ہے:

وہ تنظیمیں جو غیر سرکاری طور پر معاشرے کے مجموعی یا ایک مخصوص شعبے کی فلاح اور ترقی کے لیے کام کریں۔

بدلتے ہوئے حالات میں یہ تنظیمیں صرف بہبود اور ترقی میں شرکت پر اکتفا نہیں کر رہی ہیں بلکہ مفادِ عامہ کے کسی بھی مسئلے پر نہ صرف یہ کہ حرکت میں آتی ہیں بلکہ محرومیت' استحصال' حقوقِ انسانی کی پامالی اور معاشرے کے خلاف ہونے والے ہر کام پر ردِعمل ظاہر کرتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ان کا کام اب یہ نہیں رہا کہ قدرتی آفات میں مدد بہم پہنچائیں یا

۱۔ ڈاکٹر ام کلثوم، ''ماہنامہ پکار ملت''، اشاعت جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۶۱، ۶۲

لوگوں کو ترقی کے بنیادی تصورات اور زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں بلکہ اب یہ تنظیمیں سیاسی معاملات اور حکومتی پالیسیوں کو چیلنج کر رہی ہیں۔ یہ تنظیمیں ملکی قوانین' اقتصادی پالیسیوں اور بین الاقوامی تعلقات میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر کو منوانے کے لیے سڑکوں پر آنے سے بھی نہیں کتراتیں۔ اپنے دائرہ کار میں وسعت کی وجہ سے ان تنظیموں سے متعلق لوگ اپنے آپ کو این جی اوز کے بجائے سول سوسائٹی یعنی مفادِ عامہ کی تنظیمیں کہلوانا پسند کرتے ہیں۔

ہمایوں سلیم نے غیر سرکاری تنظیموں کی اقسام بیان کرتے ہوئے ان کی درج ذیل طریقے سے درجہ بندی کی ہے۔[۲]

(i) رفاہی غیر سرکاری تنظیمیں۔

(ii) ترقیاتی این جی اوز۔

(iii) سیمینار اور واک

این جی اوز کا دائرہ کار

نسلِ انسانی کے ارتقاء نے جب انسان کو گروہوں اور پھر آبادیوں میں رہنے پہ مجبور کیا تو ایک دوسرے کے باہمی اور اجتماعی مفاد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یا اپنے فطری جذبات اور تقاضوں کے تحت اپنے گروپ یا آبادی میں کمزور اور ضرورت مند افراد کی بھلائی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ کام وہ انفرادی طور پر کرنے کی بجائے اجتماعی یا تنظیم کی صورت میں بہتر طریقے سے کرتا آیا ہے۔ دورِ جدید میں شہروں سے دیہاتوں تک درد مند اور باشعور اشخاص اپنے علاقے/ معاشرے میں اجتماعی بھلائی کے لیے رضا کار تنظیمیں تشکیل دینے کا کام شروع کر چکے ہیں۔ یہ تنظیمیں غیر سرکاری فلاحی/ رفاہی تنظیمیں اور انگریزی میں NGOs (Non-Governmental Orgenizations) کہلاتی ہیں۔

برِصغیر پاک و ہند میں بھی ایسی غیر سرکاری تنظیمیں زندگی کے مختلف شعبوں میں سینکڑوں سالوں سے کارہائے نمایاں سرانجام دیتیں رہی ہیں۔ ان فلاحی و رفاہی تنظیموں نے معاشرے سے ظلم و جبر کو ختم کر کے تعلیم کا شعبہ بیدار کرنے' غریبوں اور حاجتمندوں کی مختلف طریقوں سے امداد کرنے اور ترقی کے عمل کو بہتر بنانے کے لیے تجاویز پیش کرنے میں بہت مثبت کام کیا ہے۔ عموماً کسی مخصوص تعمیری مقصد/ مفادِ عامہ کے کام کرنے کے لیے گلی' محلّہ یا علاقے حتیٰ کہ ملکی سطح پر کچھ باشعور اور ہمدرد لوگ اکٹھے ہو کر ایک تنظیم بناتے ہیں اس کے لیے دفتر بنانے سے لے کر وسائل/ فنڈ/ چندہ اکٹھا کرنے تک تمام امور انجام دیتے ہیں۔ حسابات رکھنے کے ساتھ خرچ کا طریقہ طے کرتے ہیں اور پھر کام کرتے ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ تا حال غیر سرکاری تنظیموں (NGOs) کی کوئی واضح اور جامع تعریف کرنے سے مفکرین قاصر رہے ہیں۔ تاہم اتنا طے ہے کہ این جی او سے مراد غیر سرکاری تنظیم ہے جو مخصوص مقاصد کے لیے کام کرتی ہے۔

این جی اوز کی ارتقائی شکل: سول سوسائٹی

(30 نومبر 99ء کی بات ہے جب یونین کے 70 ہزار ارکان، عقیدے اور مذہب کو ماننے والے لوگ، ماحولیات کی تحریک کے ارکان، نوجوان، مقامی افراد، امن اور انسانی حقوق کے حامی اور علمبردار تحریک نسواں سے وابستہ ارکان، کسان اور دیگر پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد عالمی تجارتی تنظیم (W.T.O) کے خلاف اپنی نفرت کے اظہار کے لیے امریکہ

۲۔ ہمایوں سلیم، ہفت روزہ زندگی لاہور، اشاعت ۴/ اکتوبر ۱۹۹۸ء

کے شہر (Seattle) سیاٹل کی گلیوں میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ کچھ لوگوں نے اسے 'سیاٹل کی جنگ' کا نام دیا تو کچھ نے اسے صدی کے احتجاج کا عنوان دیا اور بعض نے اسے سادگی سے 'سیاٹل 99ء' قرار دیا۔ اس روز پر تشدد پولیس دستوں کی جانب سے ربڑ کی گولیوں، آنسو گیس اور زہریلے مرچوں کے سپرے کے سامنے جرأتمندی کے ساتھ ڈٹ جانیوالے مظاہرین نے ڈبلیو ٹی او کے مذاکرات کو تعطل سے دوچار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے انسانیت کے مستقبل کے لائحہ عمل کو مرتب کرنے میں دو متحارب قوتوں کی کشمکش کی جانب دنیا کی توجہ مبذول کروائی۔ ان میں سے ایک قوت کارپوریٹ عالمگیریت کی تھی جسے دنیا کی سب سے بڑی کارپوریشنوں اور سب سے طاقتور حکومتوں کے اتحاد کی حمایت حاصل تھی۔

دوسری قوت عالمگیر جمہوری تحریک ہے جس کا علمبردار پوری دنیا کا شہری اتحاد ہے' جسے عرف عام میں بیدار عالمگیر سول معاشرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ سیاٹل 99ء کے معرکہ سے قبل اس قوت نے ہمارے دور کی عظیم سماجی تحریکوں مثلاً شہری حقوق، ماحول کے تحفظ، امن اور خواتین کے حقوق کی تحریکوں کے ذریعے انقلاب برپا کر دیا۔

سول سوسائٹی کی اصطلاح اور اہمیت ھیگل اور دوسرے یورپین مفکرین نے اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے۔ سول سوسائٹی کی سادہ ترین تعریف 'خاندان اور ریاست سے باہر افراد کا کسی مخصوص حوالہ سے منظم ہونا اور اپنے خیالات، مسائل، مفادات، کے لیے متحرک رہنا ہے'' جیسا کہ سرسید کی علی گڑھ تحریک، ایدھی فاونڈیشن، اور فٹبال کلب وغیرہ وغیرہ اصطلاح سول سوسائٹی موجودہ دور میں مشرقی یورپ میں جمہوریت نواز تحریکوں کے آغاز سے وجود میں آئی اور اب اس کی عالمگیر جمہوری تحریک سے قریبی وابستگی ہے۔ یہ اصطلاح دو حوالوں سے مناسب ہے۔ اس سے مراد ایک ایسی انقلابی جمہوری اور زندگی سے متحرک، بھرپور سوسائٹی ہے جس کے شہری آزاد اور مساوی حیثیت کے حامل ہیں جو شہری شعور کے احساس کے تحت اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ اس نوعیت کا معاشرہ ہے جسے عالمی جمہوری تحریک تشکیل دینا چاہتی ہے۔ متحرک جمہوری معاشرہ کی دوسری تعریف سے مراد ایسی سول سوسائٹی کی تنظیموں اور تحریکوں کی نشاندہی ہے جو مضبوط اور اہم مہذب معاشروں پر مشتمل آفاقی تہذیب کی تشکیل کے لیے مستند ثقافتی، اقتصادی اور سیاسی بنیادیں تخلیق کرنے میں کوشاں ہیں۔

این جی اوز کے مقاصد

ان غیر سرکاری تنظیموں کا کام سرکاری عمل دخل سے آزاد ہوتا ہے اور یہ درج ذیل مقاصد کے لیے کام کرتی ہیں۔[۳]

۱۔ ان سب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کو جو مسائل درپیش ہیں انہیں سرخ فیتے سے بچا کر فوری طور پر تدارک کیا جائے۔ یہ تنظیمیں ضرورت کے مطابق مقامی سطح پہ تشکیل دی جاتی ہیں تا کہ وسیع بنیاد حاصل ہونے کی وجہ سے باہمی تعاون کے باعث بہترین کردار ادا کیا جا سکے۔ ان NGOs کے رفاہی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) خواتین کی بہبود

(ii) نوجوانوں کی بھلائی

(iii) بچوں کی بہبود

(iv) بے راہ رو نوجوانوں کی بھلائی

۳۔ ڈاکٹر کلثوم، ماہنامہ افکار ملت لاہور: جولائی ۲۰۰۰ء، ص ۶۱

(v) جسمانی اور ذہنی معذور افراد کی بھلائی

(vi) سماجی تعلیم

(vii) بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

این جی اوز اگر درج بالا مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائیں تو کمیونٹی کے افراد کی شرکت سے کسی بھی ترقیاتی پراجیکٹ مثلاً بنیادی صحت کی فراہمی کے یونٹس، سکولز یا دیگر مثبت سرگرمیوں کے لیے کام ہوسکتا ہے۔

معاشرے کے افراد کی شرکت و معاونت سے کیے جانے والے کاموں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح کے امور میں اپنائیت کے احساس کے ساتھ افراد پروگرام کی ترقی کے لیے بھرپور کوشش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں اس کے دیرپا اثرات معاشرے پر مرتب ہوتے ہیں۔ جس کی بنیادی وجہ معاشی انتظامی، تکنیکی امور میں عوام کی شرکت ہے۔

دنیا کے سینکڑوں ممالک میں ایسے کمیونٹی ماڈلز بہت مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔ صحیح روح کے ساتھ کام ہو تو ان NGOs کا ایک مثبت پہلو یہ بھی نظر آتا ہے کہ مقامی طور پر اختیارات حاصل ہونے کے باعث کرپشن کے امکانات کم ہوتے ہیں اور تاخیری حربوں سے گریز کیا جاسکتا ہے۔ مگر دوسری صورت میں ان کے سرکردہ افراد طالع آزما افراد کے ہتھے چڑھ جائیں تو ناقص اقدامات اور غیر مربوط منصوبہ بندی، بدعنوانی اور کرپشن کے تحفظ اور مضبوطی کا باعث بنتی ہے اور ان تنظیموں کے وجود کو معاشرے کے لیے زحمت کا باعث بنا دیا جاتا ہے۔ یہ بات بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ این جی اوز کے قیام کے ساتھ ہی ہمارے معاشرتی و خاندانی نظام میں بیرونی مداخلت کے خطرات بڑھ گئے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ کفر و طاغوت کی طاقتیں ہمیشہ سے اور ہر دور میں نت نئے ہتھکنڈوں کے ساتھ حق و صداقت کے خلاف نبرد آزما رہی ہیں۔ آج کی نام نہاد این جی اوز یعنی غیر سرکاری تنظیمیں درحقیقت انھی باطل قوتوں کی آلۂ کار ہیں اور ان کی جڑیں تقریباً ہر مسلم ملک میں موجود ہیں۔ تحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اپنے مخصوص اور منفی مفادات کی تکمیل کے لیے بیرونی طاقتیں بشمول اقوام متحدہ، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور ورلڈ بینک جیسے ادارے ان کی پشت پناہی کرتے ہیں حتیٰ کہ ملک میں موجود بڑی طاقتوں کے سفارت کار کھلے عام انہیں تحفظ بھی فراہم کرتے ہیں۔ بلکہ بین الاقوامی سطح پر میڈیا کے ذریعے ان کی ترویج اور پبلسٹی بھی کی جاتی ہے۔ چناں چہ یہ طاقتیں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے این جی اوز کو دیگر مراعات کے علاوہ کروڑوں اور اربوں کے فنڈز مہیا کرتی ہیں اور ساتھ ہی ان کو ایک مخصوص ایجنڈا دے دیتی ہیں جن کے مطابق وہ کام کرتی ہیں جبکہ بظاہر وہ انسانی حقوق آزادی نسواں اور خواتین کی ترقی و خوشحالی کے لیے سرگرم عمل دکھائی دیتی ہیں۔

این جی اوز کا ایجنڈا

اس بات کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ این جی اوز کا اصل ایجنڈا کیا ہے؟ اس حوالے سے پاکستان کے اندر مختلف اور انتہا پسند آراء پائی جاتی ہیں۔ ایک مکتب فکر ان تنظیموں کو تقاضائے وقت سمجھتا ہے، جب کہ دوسرا زہرِ قاتل۔ دونوں کے پاس اپنے موقف کے حق میں دلائل ہیں۔ اس مسئلے کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

عالمی تناظر میں جب ہم عالم گیریت اور منڈی کی معیشت کے رجحانات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی

ہے کہ عالمی برادری ان تنظیموں کی مدد ومعاون اور پشتی بان ہے۔ بین الاقوامی سیاسی اور مالیاتی ادارے ان کی اخلاقی اور مادی مدد پر کمر بستہ ہیں۔ گذشتہ ۱۰ سال سے اقوام متحدہ کی براہِ راست نگرانی میں مختلف موضوعات پر عالمی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہی ہیں جن میں دنیا بھر کی این جی اوز اور سربراہانِ حکومت پہلو بہ پہلو بیٹھ کر ان مسائل کے بارے میں عالمی سطح پر پالیسی وضع کرتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۹۲ء میں ریوڈی جینرو کی ارض سربراہ کانفرنس' ۱۹۹۴ء کی آبادی کانفرنس منعقدہ قاہرہ' کوپن ہیگن میں ۱۹۹۶ء کی سماجی سربراہ کانفرنس' اور اسی سال بیجنگ میں عالمی خواتین کانفرنس اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

اس کی تازہ ترین مثال ستمبر ۲۰۰۰ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا میلینیم سربراہی اجلاس تھا جس میں ریکارڈ تعداد میں سربراہانِ مملکت وحکومت' بادشاہوں اور دیگر اعلیٰ سطحی عہدیداران نے شرکت کی۔ اس اجلاس کے اختتام پر جو اعلامیہ جاری ہوا جس پر پاکستان اور تمام اسلامی ممالک سمیت ممبر ممالک نے دستخط کیے' اس میں نئے ہزاریے کے لیے ایک واضح ایجنڈا پیش کیا گیا ہے۔ اعلامیے کے مطابق شرکاء نے غربت' بیماری' جہالت اور خونریز جھگڑوں کو کم کرنے' عالمی سطح پر جمہوریت کی کارفرمائی' قانون کی حکمرانی انسانی حقوق اور خواتین کے مساوی درجے کے تحفظ اور تمام اقوام عالم کے مابین امن وتعاون اور ترقی کو فروغ دینے کے عزم کا اظہار کیا۔ اس اعلامیے میں این جی اوز کے بارے میں واضح طور پر کہا گیا ہے: ''نجی شعبے اور این جی اوز کے ذریعے ہم اقوام متحدہ کے خوابوں کو تعبیر دیں گے''۔ چنانچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ترقی کا جدید تصور این جی اوز کے ذریعے عام کرنے کے عمل کو اقوام متحدہ کی سند اور حمایت حاصل ہے اور اسلامی دنیا اس پورے پروگرام کی حامی ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی این جی اوز کو ہر سال تین ارب روپے کے لگ بھگ فنڈز ملتے ہیں۔ جس کا یہ کثیر حصہ ہڑپ کر جاتے ہیں۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ این جی اوز کی اکثریت کے مرد وحضرات کو قریب سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی ۹۰ فیصد اکثریت سیکولر بے دین اور نام نہاد ترقی پسند ذہن کی مالک ہے۔ این جی اوز سے متعلق ایک معروف صحافی کا تجربہ بالکل درست ہے کہ فلاح و بہبود تو محض ایک دکھاوا ہے' اصل میں این جی اوز کا بنیادی مقصد پاکستان جیسے اسلامی ملک میں لادینیت اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دینا ہے۔

☆ تمام این جی اوز کا سب سے پہلا اور بنیادی حرف تو یہی ہوتا ہے کہ وہ اسلامی ممالک بالخصوص پاکستان' افغانستان اور بنگلہ دیش میں اسلامی تعلیمات اور اقدار و روایات کی نفی کرتے ہوئے مغربی افکار ونظریات کو فروغ دیں اور یوں ہمارے پورے معاشرتی ڈھانچے کو مغربی قالب میں ڈھالنے کی سعی کریں۔

☆ چند این جی اوز کا اصل مقصد ہی نیم خواندہ اور بے علم مسلمانوں کو اس بنیاد پر گمراہ کرنا ہے کہ قرآن (نعوذ باللہ) چودہ سو سال پرانی کتاب ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہو چکا ہے۔ لہٰذا قرآن وسنت کو بالائے طاق رکھ کر انجیل یا زبور جیسی آسمانی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے جن میں بقول ان کے ہر دور میں وقت و حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی وترمیم ہوتی رہتی ہے۔

☆ کچھ این جی اوز اور اسلامی تعلیمات میں ابہام پیدا کر کے بری شدومد کے ساتھ سادہ اور فاضل مسلمانوں کو شعائر اسلام سے بدظن کرتی ور عیسائیت کا پرچار کرتی ہیں۔

کیا این جی اوز بیرونی ایجنڈوں کی تکمیل کا ذریعہ ہیں؟

یہ بات کہ گیارہ ستمبر کے بعد ریاست اپنی عملداری والے قومی دائرہ معاملات وامور کا کچھ حصہ امریکہ کے ہاتھ میں دے بیٹھی ہے ہم میں سے کچھ لوگوں نے اسی وقت نمایاں کی تھی۔ بدقسمتی سے وہ فوائد جو اُس وقت حاصل ہوئے تھے بہت عارضی ثابت ہوئے بلکہ اس کے نقصانات بہت تباہ کن اور دیرپا بھی ثابت ہوئے۔ بہرحال یہ بات سامنے آئی کہ انہیں اس کھوئی ہوئی دسترس کو دوبارہ واپس لینے کے لیے ابھی مزید آگے بڑھنا ہے۔ اگرچہ صوبہ سرحد کی حکومت اور جنگجو گروپوں میں سے ایک کے مابین گفتگو سے ہم نے اس کی ابتدا کر دی ہے۔ ہمارے شہری طبقہ اشراف میں بعض لوگ ایسے ہیں جن کے نزدیک شدت پسندوں کے ساتھ گفتگو ناقابل قبول ہے۔ لیکن اس طرح وہ محض اپنے عدم برداشت اور تعصب کو آشکار کر رہے ہیں۔ شاید انہیں اگر یہ کوئی نشاندہی کرتا کہ برطانیہ جیسی ریاست بھی انہی دہشت گردوں سے گفتگو کی جانب متوجہ ہوئی جنہوں نے اس کے فوجیوں کو اور ماؤنٹ بیٹن جیسی عوامی شخصیت کو قتل کیا تھا۔ یہاں ان معصوموں کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے جو شمالی آئرلینڈ میں فرقہ وارانہ جنگ کے شکار ہوگئے۔

ہمارا مغرب زدہ طبقہ اشراف شدت پسندوں اور پاکستانی ریاست کے مابین گفتگو کو ان سے زیادہ قبول کر سکتا ہے۔ بہرصورت پاکستانی عوام کی اکثریت گفتگو اور گنجائش کے ذریعہ داخلی امن وامان کی خواہاں ہے۔ بدقسمتی سے جہاں ایک سطح پر ہم نے اپنے خارجی و داخلی ماحول کو کنٹرول کرنے کے لیے کچھ مثبت اقدامات کیے ہیں تو دوسری سطح پر خارجہ پالیسی کی نجکاری کا ایک غیر مانوس وغیر منطقی رجحان نظر آتا ہے۔ یہ بعض این جی اوز کی بے لگام سرگرمیاں ہیں جنہیں بیرونی ہاتھ سرمایہ فراہم کر رہے ہیں۔ ہم نے Pugwash کو تنازعہ کشمیر کے ابعاد کو مسخ کرتے دیکھا اور بھارت امریکا ویٹو پالیسی کو آگے بڑھاتے ہوئے افغانستان میں بھارتی اثر ونفوذ کو فروغ دیتے ہوئے دیکھا۔ جہاں امریکی ایجنڈا آشکار ہوتا ہے وہاں ایک آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ وفادار برطانیہ اس کی پیروی ضرور کرے گا۔ لہٰذا کوئی شخص دیکھتا ہے کہ ایک پاکستانی این جی او The Pakstan Institute of Legislative Development and Transparency (PILDAT) ''مسلم دنیا اور مغرب کے مابین ڈائیلاگ'' کے موضوع پر کانفرنس کا اہتمام کرتی ہے تو وہاں قومی ترجیحات و مفادات سے زیادہ دلچسپی نظر نہیں آتی۔ یہ دیکھ کر وہ حیران ہوتا ہے اس طرح کے قدر و قیمت سے پُرعنوان سے یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ شرکا کے لیے اس کے خزانے میں کیا ہے۔ اگر کوئی خفیہ ایجنڈا اور منفرد اہداف کی تکمیل مقصود نہیں ہے تو پھر یقیناً گفتگو ہونی چاہیے تھی۔

مسلم ریاستوں اور عیسائی و سیکولر ریاستوں کے مابین یا مسلم سول معاشروں اور مسیحی سول معاشروں کے مابین اور اسی طرح کچھ اور کے مابین۔ اور اس 'مغرب' میں مسلمان نہیں ہیں کیا، خواہ اس مبہم اصطلاح کی کسی بھی مخصوص زمانے میں جو بھی تعریف کی جائے پھر بھی اسلام کو مغرب سے غیر مرتبط کرنا مغرب کی ایک بڑی مگر روز بروز کمزور پڑتی پالیسی کا حصہ ہے اور وہ یہ کہ مسلم اقلیت کے وجود کا انکار کیا جائے۔ مزید ضرررساں وہ ورکشاپ ہے جس کا انعقاد ۲۲ اپریل کو ہوا اور پھر یہ کہ جسے برطانوی حکومت نے ہی رقوم فراہم کی تھیں۔ اول نظر میں پاکستان اور افغانستان کے پارلیمانی اراکین کا یہ باہمی ورکشاپ بہت ہی شاندار اقدام معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان میں موجود جرمن این جی اوز ابھی حال ہی میں افغان دانشوروں کی ایک ٹیک پاکستان لے کر آئی ہیں۔ لیکن برطانوی حضرات کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنا ایجنڈا خفیہ رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ برطانوی حکومت نے اس ورکشاپ جسے دوطرفہ فرض کیا گیا تھا کے اختتامی اجلاس میں ایک بھارتی

پارلیمانی رکن کو ایک بہت ہی اہم تقریر کرنے کا موقع دیا، اس کے باوجود کہ انہیں افغانستان اور ہندوستان کی خطے میں مداخلت پسندانہ کوششوں پر پاکستان کی حسّاسیت کا بخوبی علم ہے اور ابھی حال ہی میں ہم نے افغان وزیر دفاع کے دورہ مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے احتجاج بھی کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ورکشاپ میں شریک بھارتی پارلیمانی رکن نجمہ ہیپتلا جو بنیادی طور سے پاکستانیوں میں اپنی پاکستان مخالف بیانات کی وجہ سے معروف ہیں، اصلاً موردِ بحث نہیں ہیں۔ نکتہ اعتراض یہ ہے کہ یہ ایک اور کوشش ہے پاکستان، افغانستان کی مفاہمت میں مداخلت کی جس پر تفصیل سے Pugwash سے متعلق کالم میں بحث ہو چکی ہے۔ لیکن جو بات بہت زیادہ پریشان کن ہے وہ یہ ہے کہ پاکستانی این جی اوز کیوں بھارت امریکا/نیٹو کے ہاتھوں کی کھلونا بن کر پاکستانی موقف کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں۔

یہ کیوں پاک افغان باہمی معاملات کے بیچ بھارت کو مخل ہونے کا موقع فراہم کرتی ہیں؟ یقیناً لاعلمی اور سادہ لوحی تو اس کی وجہ نہیں ہوسکتی ہے۔ پاکستانی این جی اوز سے کون مواخذہ کرے گا۔ کیا پاکستانی این جی اوز وہی کرتی رہیں گی جو ان کا دل چاہے گا، حتیٰ کہ خارجہ پالیسی جیسے حساس امور میں بھی جہاں ان کی سرگرمیاں پاکستانی موقف کے لیے ضرررساں ثابت ہوتی ہیں۔ برسبیل تذکرہ عرض ہے کہ جب کبھی ہم جمہوری ہندوستان کی بات بطور نکتہ حوالہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بھارت نے نہ صرف Pugwash کو گزشتہ سال اپنے یہاں کانفرنس کرنے سے روک دیا بلکہ اس نے پاکستانی اسکول کے بچوں کو بھی گزشتہ سال بھارت میں ایک این جی او کی سرگرمیوں میں شریک ہونے سے روک دیا اور اب تو کئی سالوں سے بھارت نے انٹرنیشنل کرائسس گروپ کو دہلی میں موجودگی کی اجازت ہی نہیں دی ہے جس کی وجہ سے اس کا ''پاکستانی باب'' حال ہی میں ''جنوبی ایشیائی باب'' میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔[۴]

مقاصد کے حصول کے لیے طریق کار

اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ان کا طریقہ کار یہ ہے:

☆ - فیصلہ کن حیثیت رکھنے والے افراد حکومت میں ہوں یا اپوزیشن میں ان سے مضبوط اور قریبی روابط' تاکہ اپنے مشن کے لیے لابنگ کی جا سکے۔

☆ - اہم افراد مثلاً صحافیوں، ججوں، وکلاء، بیوروکریٹس، سیاست دانوں کے ساتھ میٹنگز

☆ - معاشرے میں مؤثر مقام رکھنے والے افراد مثلاً اساتذہ، سیاسی کارکن، معاشرتی رضاکار تنظیموں کے کارکن، وکلاء وغیرہ میں نفوذ کے لیے سیمینار، کانفرنس، ورکشاپس کا انعقاد

☆ - رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے اشتہارات اور لٹریچر کی تشہیر و اشاعت

☆ - آج کل ایک موثر اور باقاعدہ پلاننگ کے تحت ''عورتوں کے لیے جنسی فیصلوں کی آزادی'' کے نام پر ایسے کیس خاص طور سے عدالتوں میں لائے جا رہے ہیں جن میں 'پسند کی شادی' کرنے والے جوڑوں کو قانونی حق دلانے کے نام پر قومی اور بین الاقوامی سطح پر اُجاگر کیا جائے تاکہ اس طرزِ عمل کی حوصلہ افزائی کی جا سکے۔

۴۔ شیریں مزاری، دی نیوز کراچی ۲۳/اپریل ۲۰۰۸ء

☆- 'جنسی آزادی' کو یقینی بنانے کے لیے بڑے منظّم طریقے سے تعلیمی اداروں فنڈز کے قیام کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر میں مخلوط تعلیم کی بنیاد پر تعلیمی ادارے قائم کیے جا رہے ہیں۔حکومت کی جانب سے ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے فنڈز کے اجرا میں ایسے سکولوں کو ترجیح دی جا رہی ہے جن میں مخلوط تعلیم ہو۔

☆- ملازمتوں میں جنڈرفری رجحان کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔منشا یہ ہے کہ ہر مقام پر مخلوط ماحول پیدا کیا جائے۔ چنانچہ پرائیویٹ سیکٹر میں خاتون سیکرٹری کا رواج روزافزوں ہے۔افواج پاکستان میں مخلوط ماحول کے لیے ایجوکیشن، انجینئرنگ، اکاؤنٹس اور دیگر دفتری امور کے لیے خواتین کیڈٹس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ حال ہی میں امریکی نائب وزیرخارجہ نے تو بطور خاص افواج پاکستان کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنا ماحول اور نظام مغربی طرز کے مطابق تشکیل دیں۔ ہمارے سرکاری اور غیر سرکاری ادارے اس مشن کی ترویج کے لیے کوشاں ہیں۔

☆-تعلیمی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے کہ لڑکوں کے تعلیمی اداروں میں خواتین اور طالبات اورلڑکیوں کے اداروں میں طلباء اور دیگر مرد حضرات کو بلایا جائے۔ فی الحال یہ اختلاط خاص تقریبات کے نام پر ہوتا ہے۔اس طرح مخلوط محفلوں کے مطلوبہ نتائج ظاہر ہونا بھی شروع ہو گئے ہیں۔

> ''پریس اور میڈیا کو ان مقاصد کے حصول کے لیے بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔خواتین کی تصویریں اور مخلوط محفلوں کی خبریں اور روداد نمایاں مقام حاصل کرتی ہیں۔ میڈیا سے پیش ہونے والے پروگراموں میں مخلوط محفلوں 'جنسی آزادی' اور 'خاندانی منصوبہ بندی' کے مقاصد کو خاص طور پر اُجاگر کیا جارہا ہے۔''[5]

این جی اوز کے گھپلے

قیام پاکستان کے بعد ہم نے دیکھا کہ بہت سارے فلاحی ادارے سرگرم عمل رہے اور فلاح و بہبود کے کام کے لیے محلّہ کی سطح تک تنظیمیں بنیں، اس طرح سلسلہ چلتا رہا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بہت سے ادارے قائم ہوئے۔ رفتہ رفتہ ان اداروں نے منظّم ہو کر فلاح و بہبود کے دیگر کام کیے اور چھوٹی سطح پر ترقی کے لیے ایک راہ ہموار کی۔ اس بناء پر حکومت وقت نے ان کا ساتھ دیا کیونکہ اس کام کے پیچھے جو جذبہ کارفرما تھا' اس میں ایک چیز تعمیرِ مملکت اور دوسرا خدمتِ انسانیت تھا۔ان چھوٹے اداروں سے متاثر ہو کر سوشل ویلفیئر ڈیپارٹمنٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔۶۰ اور ۷۰ کی دہائیوں میں یہ ڈیپارٹمنٹ زیادہ فعال ہوا اور اس کا بجٹ بڑھا دیا گیا۔ پھر ایک مرحلہ ایسا آیا جب بنگلہ دیش علیحدہ ہو گیا' ملک میں سیاسی سطح پر افراتفری ہوئی اور یہ مسئلہ مارشل لاء کا باعث بنا۔عوامی حکومت کا خاتمہ ہوا' سوشلسٹ اور کمونسٹ نظریات رکھنے والے لوگوں کے لیے تقریباً تمام دروازے بند ہو گئے۔ مارشل لاء کا دور سیاہ دور تھا' جب طلباء تنظیموں پر پابندی' وکلاء پر پابندی' لیبر یونین بند' یعنی تمام سرگرمیاں ختم ہو گئیں اور ایک گھٹن کی فضا قائم ہو گئی تھی۔ لوگوں نے اپنے آپ کو قید اور جبر کی حالت میں پایا۔ یہی وہ موقع تھا جب سوشلسٹ اور کمیونسٹ نظریات کے حامل لوگوں نے اپنے چہرے بدلے اور خدائی خدمت گار بن کر

۵- محمد متین خالد، حقوقِ انسانی کی آڑ میں، ص ۲۵۸، ۲۵۹

میدان عمل میں اُتر آئے۔ ان لوگون نے عوام کی دُکھتی رَگ پر ہاتھ رکھا اور ان کی رہنمائی کا بیڑا اُٹھالیا۔

این جی اوز کے شیطانی حربے

آزاد روی یعنی (Liberalization) مغربی استعمار کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے ہمارے بڑے بڑے دانش ور اور نظریاتی قائدین بھی ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ انہیں جب بنیاد پرست، کٹر اور ضدی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے تو وہ فوراً لبرل، روشن خیال، ترقی پسند اور Forward Looking ہونے کا دعویٰ فرما دیتے ہیں اور اس طرح پورے معاشرے کو آزاد کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس عمل میں این جی اوز مرکزی کردار ادا کرتی ہیں۔ خصوصاً بیگمات کی این جی اوز جو مغربی دنیا سے مالی امداد لیتی ہیں۔ آزاد روی میں کبھی اشاروں میں اور کبھی کھل کر خاندانی بندھنوں کو ڈھیلا کرنے اور توڑنے کی تاکید کی جاتی ہے۔ بزرگوں کی شفقت اور محبت کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اور معاشرتی مسائل گنوائے جاتے ہیں، لڑکیوں کی بے راہ روی کو جرأت مندانہ اقدام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور رشتوں ناطوں کے تقدس کو پامال کرنے کے ڈرامے رچائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ثقافت کو میڈیا کے ذریعے Liberalize کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور صاف ستھری تفریحات اور ثقافتی سرگرمیوں کو گھٹن کا نام دے کر ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اور معاشرے کی نظریاتی اور روایتی جڑیں اُکھاڑی جاتی ہیں اور معاشرے کو بے لنگر جہاز کی طرح ذہنی انتشار کے سمندر میں لڑھکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اس وقت ہمارے ملک میں این جی اوز کے نام پر کئی تنظیمیں مختلف شعبوں میں کام کر رہی ہیں۔ عرفِ عام میں یہ ادارے عوام کے رفاہی کاموں میں مصروف ہیں لیکن عوام کو مختلف قسم کے لالچ دے کر اہلِ اسلام کو غفلت میں ڈالنے اور نئی نسل کے اذہان کو اسلامی احکامات سے دُور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ رفاہی کاموں کی آڑ میں فحاشی اور بے حیائی کو ہم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ این جی اوز والے اپنے کاموں میں اتنے آزاد ہیں کہ جس ملک میں یہ ادارے اپنا کام کر رہے ہوں وہاں کی حکومت ان کے کاموں اور اخراجات میں مداخلت نہیں کرسکتی۔

این جی اوز کی منفی سرگرمیاں

یہ انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور مستحق افراد کی مدد اور خدمت خلق کے جذبے کے نام پر یہ ادارے نہ صرف ملکی اور بیرونی ذرائع سے حاصل ہونے والے فنڈز ہضم کر جاتے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر نے ملکی سلامتی اور قومی مفادات کے خلاف بھی سرگرمیاں شروع کر رکھی ہیں جن پر ہر محبّ وطن کو تشویش ہے۔ یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ بعض مغربی ایجنسیاں انسانی خدمت کی آڑ میں ان این جی اوز کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔

یہ بات حکومت کے علم میں ہے کی کتنی این جی اوز پاک بھارت دوستی کی آڑ میں قومی غیرت کے منافی سرگرمیوں میں مصروف ہیں۔ مگر حکمران اپنے مفادات کے لیے اس پر خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔

ہر غیر سرکاری تنظیم کسی نہ کسی قانون کے تحت رجسٹر ہونی چاہیے، وہ سوسائٹی ایکٹ ہو، کمپنیز ایکٹ ہو یا سوشل ویلفیئر ایکٹ۔ پھر ان قوانین پر عمل درآمد کیوں نہیں کیا جاتا جن کے تحت وہ این جی اوز رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آج سے نہیں، یہ این جی اوز سالہا سال سے کام کر رہی ہیں، آج تک کسی ایسے نظام کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی گئی جس کے ذریعے این جی اوز کو مانیٹر کیا جا سکے اور ان کی خلافِ ضابطہ سرگرمیوں کا نوٹس لیا جا سکے۔

ان تمام بنیادی حقوق کو فراموش کر کے خاندان کی عورت کو گھر سے نکال کر تمام تر توجہ 'عورت کے حقوق' پر دی گئی ہے۔ روشن خیال اور جدت پسند طبقے نے حقوقِ نسواں کی تحریکوں سے متاثر ہو کر خاندان کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ لیکن خودسر مغرب جو اپنے آپ کو انسانی حقوق کا محافظ اور ٹھیکیدار سمجھتا ہے، ان قوموں کے حقوق کے حصول کے راستے میں اسی طرح دشواریاں اور مشکلات کھڑی کر رہا ہے۔ ان مجبور اقوام کے مناسب اور جائز مقاصد اور حقوق بھی ناقابلِ حصول ہو کے رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ ممالک امریکہ اور یورپی ممالک کے یرغمال اور دست نگر بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کی قسمت کا فیصلہ ان ظالموں کے ہاتھ میں ہے اور وہ ان اقوام کو معاشی، تعلیمی، علاج معالجہ اور امن وامان کے تمام چھوٹے بڑے حقوق سے محروم کر رہے ہیں۔

پاکستان میں ان دنوں این جی اوز کی منفی سرگرمیاں خطرناک حد تک شدت اختیار کر چکی ہیں۔ باوثوق اور مستند ذرائع کے مطابق ہمارے ملک میں صرف اور صرف مغربی امداد اور اشاروں پر چلنے والی ایک درجن کے قریب این جی اوز ایسی ہیں جن کے نمائندے اہم حکومتی عہدوں اور وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے علاوہ نیشنل سیکورٹی کونسل میں نہ صرف شامل ہیں بلکہ انکے کرتا دھرتا بھی وہی ہیں۔ انہوں نے اپنے دفاتر میں انتہائی عیش پرستانہ اور آزادانہ ماحول قائم کر رکھا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کہنے کو یہ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کوشاں ہیں مگر عوام تو ایک طرف یہ این جی اوز اور صحافیوں اور سوشل ڈیپارٹمنٹ کی خاتون افسروں تک کو اپنے دفتر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتیں مبادا کہ ان کی ملک دشمن سرگرمیوں کا پول نہ کھل جائے۔

این جی اوز اور متعلقہ سرکاری اداروں کی ذمہ داری

جوں جوں این جی اوز کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، اسی تناسب سے خودکشیوں کے واقعات، مجرمانہ حملوں کے واقعات، فحش لٹریچر کی اشاعت، ذرائع ابلاغ سے عورت کی بے حرمتی اور استحصال میں اضافہ بھی ہو رہا ہے۔ آج کی عورت کل کی عورت کے مقابلے میں زیادہ مظلوم اور استحصال کا شکار ہے۔ اس کے اوپر زیادہ دباؤ ہیں، یہ دباؤ معاشی بھی ہیں اور معاشرتی بھی، اخلاقی بھی اور نفسیاتی بھی۔ حکومت کے اداروں یا این جی اوز نے اس کے سدباب کے لیے کیا کام کیا ہے؟ پاکستان میں رجسٹرڈ تیس ہزار این جی اوز اگر معاشرے کی فلاح و بہبود اور عوامی مسائل کے لیے کام کر رہی ہوتیں تو کیا معاشرہ آج اسی طرح مسائل کا گڑھ ہوتا؟ کیا اسی طرح خودسوزی کا کلچر پروان چڑھتا؟ غیر ملکی زرمبادلہ پر پلنے والی یہ این جی اوز جن میں کچھ کا صرف اپنا مفاد ہے اور کچھ کا کردار حد درجہ خطرناک ہے کہ وہ معاشرے کے لیے ناسور ہیں اور غیر ملکی آلہ کار ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ این جی اوز کے روپ میں کہاں کہاں کون سی ذہنیت کارفرما ہے۔ اس وقت تمام این جی اوز کے لیے سخت قوانین کی ضرورت ہے، وہ حکومتی ادارے جن کے تحت یہ تنظیمیں رجسٹرڈ ہیں، ان کی غفلت کا نوٹس لیا جائے کیونکہ ان کا کام تنظیموں کی مانیٹرنگ کرنا ہے۔ اگر وہ ذمہ داریوں سے غافل رہے ہیں تو این جی اوز کے ساتھ ساتھ وہ بھی ناقابلِ معافی ہیں اور اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔ کیا حکومت نے ان افسران کے خلاف بھی نوٹس لیا ہے اور قرار واقعی کافی

سخت اقدامات کیے ہیں۔ اس کے ساتھ عوام الناس کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دوست نما دشمنوں کو پہچانیں اور طاغوتی ایجنٹوں سے ہر محاذ پر ہوشیار رہیں۔[۶]

حکومت کو اپنے ذرائع سے ان این جی اوز کی حقیقت معلوم کرنی چاہیے اور یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ تنظیمیں پاکستان کے دستور میں بنیادی تبدیلیاں لانے کے درپے کیوں ہیں؟ ان کا نظریہ زندگی کیا ہے اور وہ پاکستان کو اس کے مطابق ڈھالنے میں کس لائحہ عمل پر کام کر رہی ہیں؟ ہم انسانی خدمت کے لیے کام کرنے والی عالمی تنظیموں کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن انہیں یہ اجازت دینے کے لیے تیار نہیں کہ وہ ہمارے اساسی تصورات کی جڑیں کھودنے کے لیے سرگرم عمل ہوں اور اقتدار کے ایوانوں میں بے پناہ اثر و رسوخ حاصل کر لیں۔

ہم یہاں دیہی کونسلوں میں عورتوں کی لازمی پچاس فیصد نمائندگی کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تجویز کے محرکین مغربی تہذیب کے دلدادہ ایسے لوگ ہیں جو یا تو ہمارے معروضی حالات سے قطعی ناواقف ہیں یا ایسے جنونی جو پاکستان پر ریاستی جبر کے ذریعے مخلوط معاشرہ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

مغرب سے 'روشنی' حاصل کرنے والے یہ 'دانش ور' عورتوں کے حقوق کے نام پر انتخابی نظام میں ایسی تبدیلیاں لانا چاہتے ہیں جن کی خود مغربی ممالک میں کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ موجودہ قوانین کے تحت عورتیں مردوں کی طرح انتخابات میں حصہ لے سکتی ہیں اور اس میں کوئی امر مانع نہیں۔

دوسری طرف ہمارے اکثر دیہات میں عورتوں میں تعلیم کی شرح نہایت کم ہے اور خواتین کو امورِ خانہ داری کے سوا عملی زندگی کا کوئی تجربہ نہیں۔ اس معاشرتی صورت حال میں دیہی کونسلوں میں پچاس فیصد عورتوں کو نمائندہ بنا کر بٹھانے کا مقصد اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ معاشرتی ڈھانچے کو زمین بوس کر دیا جائے۔ مقصد یہ ہے کہ پاکستان میں مخلوط معاشرہ مسلط کیا جائے۔ حکومت کو ایسی این جی اوز اور ان کی لایعنی تجاویز سے خبردار رہنا چاہیے۔ یہ اجنبی تصورات اور رومانوی اندازِ فکر سیاسی استحکام یا اقتصادی ترقی میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ پاکستان کسی کی جاگیر نہیں جس کے بنیادی فیصلے ایسی این جی اوز کی صوابدید پر چھوڑ دیے جائیں جن کے بارے میں یہ شبہ بھی عام ہو کہ ان کی ڈور کوئی اور ہلا رہا ہے۔ این جی اوز سیاسی و دینی جماعتوں کا خلا پُر نہیں کر سکتیں۔ قومی مفادات کا تقاضا ہے کہ حکومت اور سیاسی و دینی جماعتوں کے درمیان مؤثر رابطے قائم کیے جائیں اور ملک کو دوبارہ جمہوریت کی پٹڑی پر چڑھانے کے لیے سنجیدگی سے راہِ عمل تلاش کی جائے۔[۷]

کاغذی اور حقیقی این جی اوز

این جی اوز کا سیلاب سا آ گیا ہے' کسی بھی شعبے میں جائیے آپ فیشن ایبل خواتین غریبوں کے درد میں مبتلا نظر آئیں گی۔ یہ سلسلہ پہلے بھی ہوا کرتا تھا لیکن سوویت یونین کی شکست و ریخت کے بعد ہمارے ہاں یہ بہت زیادہ دکھائی دینے لگیں اور ترقی یافتہ اقوام میں دردِ دل رکھنے والے ادارے اور اشخاص ترقی پذیر ممالک کی طرف دیکھنے لگے اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے انہوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ترقی یافتہ اقوام جب ہمارے ہاں صحت اور تعلیم کے بجٹ کی حقیقت کو جانیں تو

۶۔ افشاں نوید، ماہنامہ ''خواتین میگزین'' جون ۱۹۹۹ء

۷۔ اداریہ ''روزنامہ پاکستان'' لاہور، ۱۰ مئی ۲۰۰۰ء

وہ حیران رہ گئیں اور حکومتوں نے ان غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ مل کر عوام کی فلاح و بہبود کے پیشتر کام کیے اور بعض لوگ ان کو محض کارروائی قرار دیتے لیکن یہ لوگ بہت کم ہیں‘ زیادہ تنظیمیں کام کرتی ہیں اور ان کے ثمرات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ تنظیمیں جہاں خواتین اور بچوں کے لیے کام کرتی ہیں‘ وہاں انہوں نے حیوانات وغیرہ کے لیے بھی تنظیمیں بنائیں‘ ماحول کو آلودگی سے بچانے کے لیے بھی اس عہد میں زیادہ زور و شور سے کام ہوا۔ اسلام تو نام ہی اجرِ عظیم کا ہے‘ اس میں کارِ خیر کی تعلیم بطورِ خاص دی جاتی ہے۔ صدقہ خیرات‘ زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں میں سے ہیں۔ سو ہمارے ہاں یہ فلاحی سلسلے بہت خوبصورتی سے جاری ہیں۔

جونہی این جی اوز کا تصور ذہن میں آتا ہے تو چندہ کھانے والی تنظیمیں یا پھر کاغذی تنظیموں کا خیال آتا ہے۔ یہ چند کاغذی تنظیموں کی وجہ سے ہوا اور صحیح کام کرنے والی تنظیمیں بھی موردِ الزام ٹھہریں۔ پاکستان ایک پسماندہ ملک ہے اور ترقی پذیر ہونے کی وجہ سے یہاں ناہمواری ہر شعبہ میں موجود ہے۔ پہلے پہل یوں ہوتا تھا کہ عالمی اداروں سے جو فنڈز آتے تھے‘ وہ سرخ فیتہ کی نذر ہو جاتے اور جو کچھ بچ جاتا‘ وہ کچھ انتظامی اور کچھ برائے نام فلاحی کاموں پر صرف ہوتا لیکن اب عالمی اداروں نے اپنے سروے کرنے کے بعد یہ طے کیا کہ ہم براہِ راست تنظیموں کو فنڈز دیں گے تا کہ فنڈ زخورد برد نہ ہوں لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ خواتین کی تنظیموں میں کئی ایک اونچے طبقے کی خواتین آ گئیں اور وہ اپنی کلاس سے باہر کی بات نہ کر سکیں اور محض فیشن کے طور پر غریبوں کی باتیں کرنے لگیں۔ وہی مغرب زدہ باتیں اور چند خواتین کی شمولیت۔

پاکستانی این جی اوز اور آئینِ پاکستان

پاکستانی این جی اوز کی آئینِ پاکستان سے وابستگی اور محبت کی حقیقت بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آئین پاکستان کے آرٹیکل ۲ کی رو سے اسلام پاکستان کا سرکاری مذہب ہے مگر ان نام نہاد غیر سرکاری تنظیموں کا ’غیر سرکاری مذہب‘ اسلام دشمنی ہے۔ پاکستانی این جی اوز کے رہنماؤں کو آئین پاکستان کے صرف دو تین آرٹیکل یاد ہیں۔ مثلاً آرٹیکل نمبر ۴‘ آرٹیکل نمبر ۸ اور آرٹیکل نمبر ۲۵ جن میں مساوی حقوق اور عورتوں کے حقوق کا ذکر ملتا ہے۔ وہ ایسے تمام آرٹیکل پر یقین نہیں رکھتے جن میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اسلام یا اسلامی قوانین کی بالادستی کا ذکر ملتا ہے۔[۸]

این جی اوز کا خاص ہدف، نوجوان نسل

’’این جی اوز کو بعض حلقے مغرب کی فکری یلغار کا ہراول دستہ قرار دیتے ہیں اور انہیں ایسٹ انڈیا کمپنی والے تلخ تجربے کی رو سے کچھ زیادہ ہی خطرناک گردانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ این جی اوز مغربی اقوام کے ٹکڑوں پر پلتی ہیں اور انہی کی عنایات سے پھلتی پھولتی ہیں۔ مغربی اقوام کی دنیا پرستی اور حرص و ہوس کا یہ عالم ہے کہ سُود وصول نہ ہونے پر بیٹا باپ کو یا باپ بیٹے کو جیل بھیج دے تو یہ کوئی معیوب بات نہیں ہوتی۔ اس خسّتِ طبع اور قارونی جبلت کے باوجود مسلم ممالک پر ان کی نوازشات کے پیچھے لامحالہ کوئی مفاد ہوگا۔ ان کے مشکوک کردار اور ہمدردی کے امتیازی معیار سے بجائے فلاحی اداروں کے فسادی اداروں کا روپ سامنے آتا ہے۔ انہیں دعویٰ تو انسانی حقوق‘ خوشحالی‘ معیارِ تعلیم کی بلندی اور روشن خیالی کا ہے مگر ہر انسان کو وہ قابلِ ہمدردی نہیں سمجھتے۔ اس بارے میں ان کے خاص پیمانے ہوتے ہیں۔ آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ پیمانے

۸۔ روزنامہ ’’انصاف‘‘، ۲۷ مئی ۲۰۰۰ء

غربت و افلاس اور تعلیمی گراوٹ جیسے ہوں گے جس کی بنیاد پر یہ لوگ امداد کرنے دوڑتے ہیں مگر ایسا ہرگز نہیں۔ ان کے پیمانے یہ نہیں۔غربت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ جہالت بڑھے یا گھٹے ان کی بلا سے۔ ہاں! البتہ نوجوان نسل خصوصاً خواتین کے لیے وہ جگر سوزی کی حد تک خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں' عمر رسیدہ بیواؤں اور معذور افراد کو مالی سہارا دینے سے یہ ادارے اس لیے پہلو تہی کرتے ہیں کہ ان میں روشن خیالی کا مادہ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ ورکشاپس' فنکشنز اور آؤٹ ڈور پروگرامز میں وقت کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے' جبکہ یہ ادارے صرف نوجوانوں کو 'زندگی' کی دوڑ میں دنیا کے ساتھ شریک کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ادارے عموماً تعلیم کے حوالے سے کام کرتے ہیں' اور تعلیم میں بھی غیر نصابی سرگرمیاں ہی ان کا مجال کار ہیں۔ رہیں نصابی سرگرمیاں تو وہ اس میں زیادہ دخل نہیں دیتے کیونکہ موجودہ نصاب دھڑا دھڑ بے روزگار فوج تیار ہو رہی ہے۔ ایم اے کی ڈگری کے حامل چوکیدار بن رہے ہیں۔ اسی نصاب نے تو قوم کو مختلف ادوار میں کئی 'انگوٹھے مار وزرا' بھی عطا کیے ہیں' اس لیے وہ اس اعلیٰ تعلیمی معیار سے مطمئن ہیں کہ اس میں مزید بگاڑ کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ ان کو ایک خامی پریشان کیے رکھتی ہے کہ تعلیم کے آب میں زہر ڈالنے کے بعد بھی اس قوم کے سرکش بچے بعد میں سنبھل کر اپنی دینی اقدار اور مذہبی روایات کو گلے لگاتے ہیں۔ اور ان کے وجود میں دبی ایمانی چنگاری کسی بھی وقت راکھ جھاڑ کر شعلہ بار ہو جاتی ہے اور دیکھتے دیکھتے اس کو سلانے کے لیے رچایا گیا سارا کھیل اکارت ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہب بیزاری کے لیے صرف بے روح اور دین سے دور کر دینے والا نصابی مواد کافی نہیں ہے۔ ان کو غیر نصابی سرگرمیوں میں گھسیٹ کر باقاعدگی سے نگرانی میں رکھ کر ان سے مذہب سے دوری اور دین داری کا مادہ نکال دیا جائے اور ان کو ایسے سرابوں کے پیچھے لگا دیا جائے جن کے پیچھے جتنا دوڑیں' وہ اتنا ہی دور ہوتے جائیں اور بالآخر وہ اس انجام کو پہنچیں جو سراب کے پیچھے دوڑنے والے ہر پیاسے کا مقدر ہے۔

این جی اوز کی اسلامی ورثہ سے غفلت

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی حقوق کا ایشو ایک میدانِ جنگ کا روپ دھار چکا ہے جہاں اسلام اور مغرب کے درمیان شدید نظریاتی اور فکری جنگ بھڑک اٹھی ہے۔ شاید آتشِ جنگ کے یہ شعلے اس قدر شدید نہ ہوتے اگر اہلِ مغرب ہماری فقہی میراث سے تغافل یا تجاہل کا مظاہرہ نہ کرتے۔ یا اس کا سبب وہ گمراہ کن خیالات ہیں جو رائے عامہ اور اسلام کے درمیان دیوار حائل کرنے کے لیے مستشرقین کی طرف سے وسیع پیمانے پر پھیلائے گئے۔ یا وہ اس بات کو بھول گئے کہ انہوں نے خود اسلامی تہذیب سے بہت زیادہ استفادہ کیا تھا اور انہوں نے اپنی تہذیب کی بنیاد انہی علوم پر استوار کی تھی جو مسلمانوں سے حاصل کیے تھے اور یہی وہ بنیاد تھی جس نے یورپ کی خاموش علمی فضا میں حرکت پیدا کر دی تھی۔ لیکن حیرت ہوتی ہے کہ وہ اصول جو ہم نے صدیاں ہوئیں' دنیا کے سامنے واضح کیے تھے' آج انہی اصولوں کا درس ہمیں دیا جاتا ہے' گویا یہ نئی انسانی دریافت ہے اور ہم آج تک اس سے واقف نہیں تھے۔

این جی اوز کے بارے میں چند حقائق

این جی اوز کے بارے میں سابق صوبائی وزیر پیر بنیامین رضوی کا ایک انٹرویو چشم کشا حقائق پر مبنی ہے۔ ہم اس کے کچھ حصے یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔

''غیر ملکی امداد سے چلنے والی این جی اوز سے خیر کی توقع نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے ایسے ایسے خطرناک ان کے پروگرام دیکھے ہیں کہ اگر وہ میں قوم کو بتادوں تو قوم ان کے گھروں پر حملے کر دے' دفتروں کو آگ لگا دے' مگر میں کوئی خون خرابہ نہیں چاہتا۔ میں قانون اور آئین کے دائرہ میں رہ کر ان کو لگام دینا چاہتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کو لگام نہ دی گئی تو دس سال کے بعد نظریہ پاکستان اور اسلام کا حلیہ بگڑ جائے گا۔''۹

''پارٹی کے اندر بھی مجھے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی میں کئی لوگوں نے اپنی اپنی این جی اوز بنا رکھی ہیں' اسی طرح بہت سی صحافی خواتین نے بھی این جی اوز بنا رکھی ہیں۔ ان کے آپس میں بڑے لنک ہیں' کچھ ججوں کی بیویاں جو بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز چلاتی ہیں۔ یہ ایک نیٹ ورک ہے اور یہ ایک کلب بنا ہوا ہے' یہ موجیں کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سب نیو ورلڈ آرڈر کا پروگرام ہے جس کے تحت ایشیا میں این جی اوز کو متحرک کر دیا گیا ہے اسی کے تحت بنگلہ دیش اور پاکستان میں این جی اوز نے یلغار کر دی ہے۔ افغانستان میں بھی اسی پروگرام کے تحت کچھ این جی اوز 'را' سے تربیت لیتی ہیں۔''۱۰

''میرے دور میں حساس اداروں نے لکھا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ این جی اوز اینٹی اسلام اور اینٹی پاکستان ہیں' ان کے نظریات بڑے عجیب وغریب ہیں لیکن انہوں نے لکھا کہ ان پر ہاتھ نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ اتنے با اثر لوگ ہیں کہ ان کی وجہ سے پاکستان کے دیگر ممالک سے تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور میں حیران رہ گیا کہ اس ملک میں سو ڈیڑھ سو عورتیں اور مرد اتنے با اثر اور مضبوط ہیں کہ ہماری ایجنسیاں کہہ رہی ہیں کہ ان کو ہاتھ ڈالا گیا تو کئی ممالک میں کہرام مچ جائے گا۔ میں اسی لیے رویا کہ ان کو کیوں ہاتھ نہ ڈالا جائے؟ ہمارا ملک اپنا ہے اور ہم با اختیار ہیں۔ چودہ کروڑ عوام کو یہ بھی حق حاصل نہیں کہ ان چند سو عورتوں اور مردوں کو کنٹرول کر سکیں؟''۱۱

مغرب نے ایک تاثر عام کیا ہے کہ تیسری دنیا میں حکومتی سطح پر کرپشن بہت زیادہ ہوتی ہے' اس لیے سوسائٹی کے اندر کے لوگ لیے جائیں جو ان فنڈز کو مناسب جگہ پر خرچ کر سکیں۔ اس تصور کو سامنے رکھ کر این جی اوز کا قیام عمل میں آیا جس کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ ان غیر سرکاری تنظیموں کو چلانے والے لوگ خود افسر بن کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ لوگوں کے مسائل کو سمجھیں اور ان مسائل کا ایسا حل پیش کریں جو ان لوگوں کو قابلِ قبول ہو۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انکشاف ہوا کہ ان این جی اوز کو خفیہ طور پر بھی رقوم فراہم کی جاتی ہیں جس کے عوض ان سے مخصوص مقاصد کے لیے کام کرایا جاتا ہے۔ این جی اوز کے کارکنوں اور افسران کے ذریعے مغربی نظریات کو غیر محسوس طریقے سے پھیلایا جاتا ہے جس کا بنیادی مقصد مشرق کا ثقافتی اور خاندانی نظام تباہ کرنا اور لوگوں کو مذہب سے دور کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر این جی اوز کے دفاتر میں شراب نوشی اور دوسری مغربی روایات کو عام کیا جاتا ہے۔ اس غیر محسوس تربیت اور ماحول کا اثر ہے کہ یہاں اب یہ فقرہ فیشن کی صورت اختیار کر چکا ہے کہ ''پاکستان میں کیا رکھا ہے یہ تو بس قید خانہ ہے''۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے نظر آئیں گے کہ ''اس سے تو اچھا انگریز کا نظام تھا' قائداعظم نے اس قوم کے لیے کیا کیا ہے؟'' اس قسم کے فقرے بازی کرنے والے دراصل نظریاتی اور ذہنی

---

۹ رضوی، پیر بنیامین، (سابق صوبائی وزیر سماجی بہبود) انٹرویو سے اخذ کردہ روزنامہ ''انصاف'' لاہور ۱۵ جون ۲۰۰۰ء

۱۰ ایضاً ۱۱۔ ایضاً

طور پر نیم اپاہج ہو چکے ہوتے ہیں اور ان کی زندگی کا واحد مقصد عیاشی کرنا اور پیسہ کمانا ہوتا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر غیر سرکاری تنظیموں یا الٹی سیدھی انگریزی بولنے والوں سے بہت زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور بغیر سوچے سمجھے ان کے نظریات پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

''مشرق کے پاس اس وقت خاندانی نظام واحد ہتھیار ہے جس پر وہ جتنا بھی فخر کرے، کم ہے۔ مگر اس خاندانی نظام کے خاتمہ کے لیے بھی این جی اوز نے شعوری یا غیر شعوری طور پر کام کا آغاز کیا ہوا ہے۔ ترقی پذیر اور غریب ممالک کو ان این جی اوز کے ذریعے کتنا خراب کیا جاتا ہے؟ اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ معمولی واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً آج کل ترقی پذیر اور غریب ممالک پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہیروئن اور چرس کی سمگلنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ دوسری جنگِ عظیم کے دوران برطانیہ' بھارت سے چرس خرید کر چین کو سمگل کرتا رہا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پوری چینی قوم چرسی بن گئی تھی۔ ایک وزیر کو تحقیقات کا حکم دیا گیا۔ اس وزیر کی رپورٹ پر چرس پر پابندی لگا دی گئی تو برطانیہ نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ free trade کے اصول وضوابط کے خلاف ہے۔

آخر یہ کون سا اخلاقی تقاضا ہے کہ ایک ملک دوسرے ملک کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کرے اور قابل اعتراض مال پر پابندی لگا دینے پر بنیادی حقوق کی پامالی کا رونا روئے۔ بعض این جی اوز تو ملکی مفادات کا خیال رکھے بغیر روپے کی خاطر کوئی بھی کام کرنے کو تیار بیٹھی ہیں۔ اب حکومت کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے ایسے مشکوک افراد کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیے۔''

''ماہر عمرانیات رابرٹ چیمبرز نے ?Who's Reality Counts کے عنوان سے ایک خوبصورت کتاب لکھی ہے' جس میں انہوں نے این جی اوز میں کام کرنے والے افراد کے 'دانشورانہ کلف' کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔ رابرٹ چیمبرز کا کہنا ہے کہ این جی اوز کے لوگوں کا یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی تھیوریوں کو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت تسلیم کر کے دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ ان کی بات مانیں۔ این جی اوز کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ سیڑھی پر سوار ہو کر یہ تصور کرتے ہیں کہ جن لوگوں کو ان کی ضرورت ہے یا کوئی مسئلہ ہے' وہ سیڑھی کا سفر طے کر کے ان تک پہنچیں۔ وہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ لوگ انہیں سمجھیں' ان سے فائدہ اٹھائیں' ان کے نظریات اپنائیں۔ مثلاً وہ مچھیروں کی بستی میں جا کر ان کے اردگرد پھیلے مسائل پر بات کرنے کے بجائے انہیں مشورہ دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر وہ 'فشریز فارم' قائم کر لیں تو تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔

رابرٹ چیمبرز کا کہنا ہے کہ این جی اوز میں کام کرنے والوں کا خیال ہے کہ لوگ اس لیے جاہل ہیں کہ وہ ان کی بات نہیں سمجھ رہے حالانکہ اگر وہ لوگوں کی سطح پر آ کر ان سے بات کریں تو زیادہ بہتر طریقے سے ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کے مسائل حل کر سکتے ہیں۔

کتاب کا مرکزی خیال یہ ہے:

''کس کی حقیقت اہم ہے!'' ان لوگوں کی جن کی ترقی مقصود ہے یا ان تھیوریوں اور نظریات کی جن کا پرچار این جی اوز کے لوگ کرتے ہیں۔ اس طرح ایک برطانوی صحافی نے اپنی کتاب Lords of

Poverty میں این جی اوز اور اقوام متحدہ کے افسران کی ذاتی عیاشیوں پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے
کہ کس طرح یہ خیراتی پیسہ عیاشی کی نذر ہو جاتا ہے اور محض بیس فیصد رقم پراجیکٹ پر خرچ ہوتی ہے''۔[۱۲]

این جی اوز مافیا

این جی اوز مافیا کی اسلام دشمن اور وطن دشمن سرگرمیوں کے متعلق جوں جوں خبریں شائع ہو رہی ہیں' توں توں صیہونی لابی کے ایجنڈے پر عمل پیرا' اس مافیا کی بوکھلاہٹ میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پاکستانی این جی اوز نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کے خلاف مذہبی جماعتوں کے بڑھتے ہوئے جارحانہ رویے کے پیش نظر انہیں تحفظ فراہم کیا جائے۔ انہوں نے ان کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ ۲۵ سے زائد این جی اوز کے نمائندوں نے اسلام آباد میں ایک اجلاس کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کٹر مذہبی تنظیموں کی جانب سے روشن خیالی کے منصوبے کے خلاف مسلسل دیے جانے والے بیانات کی مذمت کی۔ ایک مشترکہ بیان میں انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ ذرائع ابلاغ بھی ان کے شر پسند ایجنڈے کو ہوا دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواتین اور اقلیتوں کے لیے کام کرنے والوں کے خلاف زیادہ توہین آمیز لہجہ استعمال کیا جا رہا ہے۔[۱۳]

۲۵ جون ہی کے ایک انگریزی روزنامہ 'ڈان' میں تین کالمی خبر شائع ہوئی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ''پاکستان کی تین ہزار این جی اوز نے مذہبی جماعتوں کی مبینہ جارحیت کے خلاف وسیع پیمانے پر حکمتِ عملی تیار کرنے کی منصوبہ بندی کا آغاز کر دیا ہے''۔[۱۴]

اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ حکومت کی بے جا ناز برداری اور محبِّ وطن' اسلام پسند جماعتوں کی عدم توجہی کی وجہ سے گزشتہ دس برسوں میں این جی اوز کا نیٹ ورک ایک خطرناک مافیا کی صورت اختیار کر چکا ہے۔

فلاح و بہبود تو محض ایک cover ہے' اصل میں این جی اوز کا بنیادی مقصد پاکستان جیسے اسلامی ملک میں لادینیت اور جنسی بے راہ روی کو فروغ دینا ہے۔

بیجنگ کانفرنس کے مقاصد اور این جی اوز کا کردار

اس وقت 'بیجنگ کانفرنس' کے پس منظر میں اقوام متحدہ کی طرف سے دیے گئے مقاصد اور طریقہ کار کو اپنانے اور فروغ دینے کے لیے حکومتوں پر خاصا دباؤ ہے۔ اس دباؤ کو بڑھانے کے لیے این جی اوز کو خصوصی تربیت دی گئی ہے اور انہیں اس مقصد کے لیے بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے عورتوں' بچوں اور امن کے نام پر قائم ہونے والی تین سو سے زائد تنظیموں نے پنجاب میں این جی او بنایا ہے تاکہ 'بیجنگ کانفرنس' کے مقاصد کو آگے بڑھانے اور نتائج حاصل کرنے کے لیے مشترکہ جدوجہد کی جا سکے۔ اس جدوجہد کے دو پہلو نمایاں ہیں:

۱۔ حکومت پر مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے دباؤ

۱۲۔ روزنامہ ''انصاف'' اسلام آباد' ۲۳ ضولائی ۱۹۹۹ء ۱۳۔ روزنامہ جنگ' ۲۵ جون ۲۰۰۰ء

۱۴۔ روزنامہ ڈان ۲۵ جون ۲۰۰۰

۲۔ ان مقاصد کو عوام میں قابل قبول بنانے کے لیے جدوجہد

امدادی سرگرمیوں کی آڑ میں

پاکستان کے زلزلے سے متاثرہ علاقوں میں دنیا بھر سے مسلم اور مسیحی ادارے اور تنظیمیں امدادی سرگرمیوں میں شرکت کے لیے آئیں۔ ان میں سے مسیحی اداروں کے ریلیف کے کاموں سے متاثر ہونے والوں میں عام آدمی سے لے کر پالیسی ساز افراد اور اہم ذمہ داریوں پر موجود شخصیات بھی شامل تھیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان داروں کو بے پناہ مادی وسائل میسر تھے جن کا ایک اظہار ان کی مالی وفنی خود کفالت سے بھی ہوتا تھا اور تکنیکی صلاحیت بھی کسی طرح سے کم نہیں تھے۔ ان میں سے ہر ادارہ کسی نہ کسی اعتبار سے مسیحیت کے فروغ سے بھی وابستہ تھا۔ بعض ادارے تو اپنے نام سے پہچانے جا سکتے تھے کیونکہ وہ کسی چرچ کی توسیعی شاخ کے طور پر دنیا بھر میں کام کرتے ہیں۔ ان کے مشن اور سرگرمیوں کے بارے میں ان کی ویب سائٹس معلومات فراہم کرنے کا کھلا ذریعہ ہیں۔

ان کی مشنری سرگرمیاں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ کچھ ادارے ایسے تھے جو صرف انسانی ہمدردی کے عنوان سے میدان میں تھے۔ ان اداروں میں بھی یہ تخصیص بہرحال موجود تھی کہ یہ سیکولر ادارے نہیں تھے۔ اگر ہم ان تمام اداروں کے ناموں کو سامنے رکھیں اور سیکولر اداروں کو بھی پیش نظر رکھیں تو ہم پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوگا کہ انسانی ریلیف کا کام زیادہ تر مذہبی ادارے کرتے ہیں۔ آزاد کشمیر اور صوبہ سرحد کے زلزلہ زدہ علاقوں میں ان اداروں نے بلا شبہ کام کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ پورے امدادی کینوس کو سامنے رکھیں تو تعلیم اور علاج کے شعبوں میں اور وہ بھی خصوصی طور پر بچوں اور خواتین میں کام زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ صوبہ سرحد میں بالاکوٹ کا علاقہ ان سرگرمیوں کا خصوصی مرکز تھا۔ آزاد کشمیر کے علاقوں میں باغ میں زیادہ اہم سرگرمیاں تھیں۔

ایک مشنری جب کام کرتا ہے تو اس کو مکمل تربیت حاصل ہوتی ہے۔ ایک وسیع لٹریچر اس کے کام میں اس کی معاونت کرتا ہے اور مغربی دنیا کے وسائل اس کی پشت پر موجود ہوتے ہیں۔ یہ اس کے مشن کا حصہ ہے کہ وہ کبھی فارغ نہیں ہوتا۔ وہ مسلسل کام کرتا ہے۔ اسی لیے مشنریوں کے کام کے نتائج ایک غیر مسیحی کے توقعات سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ ۱۹۹۰ء کے عشرے سے قبل کمبوڈیا میں مسیحیوں کی تعداد ۲۰۰ تھی جو اَب بڑھ کر ایک لاکھ ہوگئی ہے۔ گویا ۱۰ برسوں میں ایک لاکھ اضافہ ہوگیا۔ اس تیز رفتار تبدیلی مذہب کی وجہ زیرِ ہدف علاقے کا آفت زدہ یا مصیبت زدہ ہونا، وہاں کے مقامی مذہب کی گرفت کا ڈھیلا پڑ جانا، الہامی کتب کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ ہونا اور ان کے ساتھ ساتھ مشنری مسیحی اداروں کا مسلسل فلاحی سرگرمیوں، بہبود کے کاموں میں اور امدادی سرگرمیوں میں مقامی آبادی کا ساتھ دینا تھا۔

ان سرگرمیوں سے مشنری کو موقع ملتا ہے کہ وہ مقامی آبادی سے ربط پیدا کرے، ان کے ہاں آ جا سکے، ان کی خوشی غمی میں شرکت کر سکے اور پھر انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دے سکے۔ ایک مشنری سے کہا جاتا ہے کہ وہ شام کے اوقات کو ان سرگرمیوں کے لیے استعمال کرے۔ وہ سارا دن ریلیف اور امداد کرے گا اور شام کو تبشیری سرگرمیاں جاری رکھے گا۔ [۱۵]

مشنری ہمیشہ تعلیم یافتہ ہوگا۔ وہ اپنے مذہب کے بارے میں کیے جانے والے بیشتر سوالوں کا جواب جانتا ہوگا۔ وہ

۱۵۔ مرزا الیاس، امدادی سرگرمیوں کی آڑ میں۔ ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۰۶ء

آپ کو آپ کے مذہب سے دور لے جانے کے سونکات بیان کر دے گا۔ وہ تبدیلی مذہب کے عمل کے بارے میں بالکل متانت اور سنجیدگی سے بات کرے گا۔ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں ہونے دے گا۔ آپ کی خانگی الجھنوں کا حل پیش کرے گا۔ آپ کے بچوں کے مسائل پر بات کرے گا۔ آپ آفت زدہ ہیں تو اس آفت کے بارے میں خداوند کی بات کرے گا۔ توحید پر اشتراک کرے گا اگر چہ ہو تثلیث کا قائل ہوگا۔

مسیحیوں میں بالعموم اور مسیحی مشنریوں میں بالخصوص ریلیف سوسائٹیاں بنانے کا رواج عام ہے۔ ان سوسائٹیوں میں کام کا بنیادی اصول یہ ہوتا ہے کہ دوسرے مذہب کے لوگوں کو مشتعل کیے بغیر انہیں تبدیلی مذہب پر آمادہ کیا جائے۔ انہیں یہ شک بھی نہ ہونے دیا جائے کہ ان پر کس نوعیت کا کام ہو رہا ہے۔ یہ سب کچھ دوستی اور سماجی خدمت کے پردے میں ہوتا ہے اور غیر محسوس انداز میں لٹریچر کی جانب طلب پیدا کر دی جاتی ہے۔ بھارت میں مسلمانوں کو مسیحی بنانے کے ایک ادارے کا نام 'دارالنجات' ہے۔ اس ادارے کو Global Call of Hope کی سرپرستی حاصل ہے۔ یہ اسلام پر مختلف کورس کراتی ہے۔ اس منصوبے کو مسلم مسیحی فیلوشپ کا نام دیا گیا ہے۔ ایک اور ادارہ ہیلپنگ ہینڈ انٹرنیشنل ہے۔ یہ پاکستان میں بھی کام کر رہا ہے۔ یہ سکول قائم کرتا ہے' چلڈرن ہوم' دستکاری مراکز' کرافٹ سنٹرز' زرعی تربیت کے ادارے' ریلیف تنظیمات اور طبی امداد کے ادارے بناتا اور ان سے کام لیتا ہے۔

مسیحی مشنری جب متاثرین میں کام کرتے ہیں تو بچوں کو گود لے لیتے ہیں۔ ریلیف کے سامان میں پمفلٹ رکھ دیتے ہیں' مستقل رابطوں کے لیے مختلف طریقے استعمال کرتے ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ ایوانجلیکل مشن نامی میگزین کے ایڈیٹر سکاٹ موراؤ کا کہنا ہے کہ مسیحیت کا پرچار کسی صورت بند نہیں کیا جا سکتا۔ ان کا کہنا ہے کہ بہترین حکمت عملی یہ ہے کہ پہلے امداد دی جائے پھر اس اعتماد کی مدد سے رابطے قائم کیے جائیں تاکہ لوگوں کو تبدیلی مذہب پر آمادہ کیا جائے۔ کرسچین ریلیف ایجنسی' ورلڈ وژن اور کیتھولک ریلیف سروس کا بھی یہی طریقہ ہے۔

ذیل میں ان تنظیموں کے نام اور ان کی ویب سائٹس کے پتے دیے جا رہے ہیں جنہوں نے زلزلہ میں مختلف کام کیے۔

☆ Action Against Hunger زلزلہ زدگان کو غذا اور شیلٹر فراہم کرنے آئے۔
www.actionagainsthunger.org

☆ Action Aida ان کا بنیادی کام عورتوں اور بچوں کی امداد ہے۔ اس اعتبار سے ان کا کام نہایت اہم اور نازک تھا۔

☆ (ADRA) Adventist Development & Relief Agency یہ ایک بڑی آرگنائزیشن ہے اور یہ غذا' کمبل اور ٹینٹ فراہم کر رہی تھی۔

☆ (JDC) American Jewish Joint Distribution Committee زلزلہ زدگار کو مختلف نوعیت کی مدد دے رہی تھی۔ یہ یہودی ادارہ ہے۔ www.jdc

☆ American Red Cross اس کے خصوصی تربیت یافتہ افراد یہاں کام کر رہے تھے۔
www.redcross.org

☆ American refugee Committee یہ تنظیم طبی امداد کے علاوہ غیر غذائی اشیا زلزلہ زدگان کو دے رہی تھی

www.archq.org

☆ Americares یہ زندگی بچانے والی ادویات اور شدید زخمیوں کے لیے ادویات فراہم کرنے کا کام کر رہی تھی

www.americares.org

☆ Architecture for Humanity یہ طویل المیعاد منصوبوں پر کام کرنے والا ادارہ ہے جو تعمیر نو اور اس سے متعلق کاموں میں شرکت کرتا ہے۔

www.bwanet.org

☆ Beptist World Alliance ان کی ایک میڈیکل ٹیم کام کر رہی تھی۔

www-bwanet.org

☆ Brother' Brother Foundaion پاکستان میں طبی سامان بالخصوص ادویات دے رہی تھے

www.brothersbrother.org

☆ CARE یہ تنظیم پاکستان میں تباہی کا سروے کر رہی تھی اور اس کے مطابق امدادی وتعمیری سرگرمیوں کا منصوبہ بنایا۔

☆ Catholic Relief Services 'ادویات' شیلٹر' صاف پانی فراہم کرنے کے لیے کام کر رہی تھی

www.catholicrelied.org

☆ Christian Reform World Relief یہ ایجنسی بھی غذا' ادویات' شیلٹر وغیرہ فراہم کر رہی تھی

www.crwrc.org

☆ Chruch World Service یہ سروے کر رہی تھی اور ریلیف کا سامان فرام کر رہی تھی۔

www.churchworldservice.org

☆ Concern World wide شدید متاثرہ علاقوں میں کام کر رہی تھی

www.concernusa.org

☆ Direct Relief International صحت سے متعلق مسائل کے حل میں کام کر رہی تھی

www.directrelief.org

☆ Doctors Without Borders طبی امداد' شیلٹر' صاف پانی' سونے کے لیے بستر اور ٹینٹ فراہم کر رہی تھی

www.doctorswithouthorders.org

☆ Epicopal Relief & Development خصوصی نوعیت کی ریلیف کا کام کرتی تھی

www_epd.porg

☆ Food For the Hungry غذا فراہم کر رہی تھی اور زلزلے کے متاثرین میں کام کر رہی تھی۔

www.fh.org

☆ Gobal Giving فوری ضرورت کی اشیا فراہم کر رہی تھی۔

www.globalgiving.com

☆ Global Impact فوری نوعیت کی ضرورت پوری کرتی ہے، زلزلہ زدگان میں کام کر رہی تھی۔
www.global_impact.com

☆ Humanity First USA حفظانِ صحت کی اشیا اور میڈیکل ٹیمیں فراہم کر رہی تھی
www.humanityfirst.org

☆ International Aid طبی ضرورت پوری کر رہی تھی۔
www.intrernationalaid.org

☆ International Association for Human Value میڈیکل کیمپ لگاتی تھی اور شدید زخمیوں کا جسمانی ونفسیاتی علاج کرتی تھی۔
www.artofiving.org

☆ International Medical Corps ہنگامی طبی ضروریات پوری کرنے کے لیے کام کر رہی تھی۔
www.imcworldwide.org

☆ International Rescue Committee فوری ضرورتوں کا اندازہ لگاتی اور فراہم کرتی تھی
www.theirc.org

☆ Lions Club غذا، ادویات اور کمبل فراہم کر رہی تھی۔
www.lionsclubs.org

☆ Luthem World Service خواتین میں کام کرتی اور زلزلہ زدہ خواتین کو ریلیف فرام کرتی تھی دُور دراز علاقوں میں کام کرتی تھی۔
www.lwr.org

☆ MADRE خواتین میں ریلیف کا کام دور دراز علاقوں میں کر رہی تھی۔
www.madre.org

☆ MAP International ہسپتال، کلینک اور موبائیل طبی یونٹ چلا رہی تھی۔
www.map.org

☆ Mercy Air Life فوری طبی امداد، خوراک اور خیمے فراہم کر رہی تھی۔
www.mercynorthiova.com

☆ Mercy USA for Aid and Development بے گھر زلزلہ زدگان میں کام کر رہی تھی۔
www.mercyusa.org

☆ North West Medical Teams طبی امداد دے رہی تھی۔
www.nwmedicalteams.org

☆ Operation USA اہم ترین ضرورت کی اشیا فراہم کر رہی تھی۔
www.opusa.org

☆ Plan USA ریلیف کی سرگرمیوں کو مربوط کرتی اور طویل مدت کے لیے درکار ضروریات پوری کرتی تھی۔

www.planusa.org

☆ Pakistan Relief طبی امداد' ٹینٹ فراہم کر رہی تھی۔ پانی کو پینے کے قابل بنا رہی تھی۔

☆ Relief International دُور دراز دیہات اور قصبوں میں ٹینٹ، کمبل اور غذا فراہم کر رہی تھی۔

www.ri.org

☆ Save Children USA زخمی بچوں اور خاندانوں اور بے گھر افراد کی مدد کر رہی تھی۔

www.savethechildren.org

☆ The United Methodist Committee طبی امداد' خوراک' پانی اور کمبل دے رہی تھی۔

www.gbgm_orgumcor or umc.org

☆ World Concem غذا' ادویات' پانی اور ٹینٹ فراہم کر رہی تھی۔

www.worldconcern.org

☆ World emergency Relief ہر موسم اور سردی سے خصوصی بچاؤ کے خیمے فراہم کر رہی تھی۔

www.worldemergencyrelief,org

☆ World Relief پانی' سردی سے بچاؤ کے خیمے' شامیانے' کپڑے فراہم کر رہی تھی۔

www.worldrelif

پاکستان میں حقوق نسواں کی این جی اوز کی ابتدا

پاکستان کے معرض وجود میں آتے ہی بہت سے صوبوں خصوصاً پنجاب' بہار' سندھ اور بنگال سے مہاجرین کی کثیر تعداد نے پاکستان کا رخ کیا۔ ہزاروں لوگ شہید ہوئے۔ لاکھوں بے گھر ہوئے جو بچے کھچے مہاجرین پاکستان آئے ان کی آبادکاری اہم ترین مسئلہ تھا۔ بیگم رعنا لیاقت علی خان نے اس وقت سب سے پہلا قدم اٹھایا اور 1948ء میں ویمن والینٹیر سروس قائم کی۔ اس تنظیم کے مقاصد میں لوگوں کو ابتدائی طبی امداد دینا' خوراک' صحت کے مسائل اور جذباتی و اخلاقی امداد شامل تھے۔ اس صورتحال میں گرلز گائیڈ ایسوسی ایشن آف پاکستان کے نام سے ایک تنظیم 1947ء سے ہی کام کر رہی تھی۔ انجمن جمہوریت پسند خواتین 1948ء میں قائم ہوئی' جس نے خواتین ورکرز کے کام کے لیے برابر تنخواہ' لڑکیوں کے لیے تعلیم کے مواقع' ہاسٹل اور ٹرانسپورٹ' کام کرنے والی عورتوں کے بچوں کے لیے نرسری Day Care کی سہولیات کے مطالبات پیش کیے اور اس کے حصول کے لیے کوشاں ہوئی۔ ویمن والینٹیر سروس نے بہت کامیابی کے ساتھ متعدد خواتین کو اپنی طرف متوجہ کیا' جس کے نتیجے میں APWA نامی تنظیم وجود میں آئی۔ اور یہ بیگم رعنا لیاقت علی خان کی کوششوں کی وجہ سے ممکن ہوسکا۔ 1949ء میں کراچی میں 100 متحرک عورتوں کی کانفرنس بلوائی گئی جس کے نتیجے میں 'اپوا' کا قیام عمل میں آیا۔[۱۶]

یہ ایک آغاز تھا، پھر یہ سلسلہ چل پڑا اور اب بے شمار تنظیمیں اس میدان میں سرگرمِ عمل ہیں۔ 1950ء کے دوران ملک میں موجود این جی اوز کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا جو حقوق نسواں کی علمبردار تھیں۔ تاہم 80ء کے عشرہ میں این جی اوز

۱۶۔ اسماء اجمل ''خواتین کی جدوجہد کے سو سال'' ساحی پبلی کیشنز، ص ۲۹

کھمبیوں کی طرح اُگ آئیں۔ ان میں سے بعض تو تعمیری کام کررہی ہیں، مگر بعض کا ایجنڈا مغرب سے درآمدہ ہوتا ہے۔ایسی تنظیمیں بیرونی ایجنڈے پر عمل کرتی ہیں اوران کے فنڈز پر چلتی ہیں۔

حقوق نسواں این جی اوز کے مطالبات

ان میں این جی اوز نے عورت کو جن حقوق دلوانے کی بات کی ان میں سے چند مقاصد درج ذیل ہیں:

☆......عورت کو مدر پدر آزادی دی جائے۔

☆......اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیا جائے اس ضمن میں ان کا مطالبہ حدود آرڈیننس کو ختم کرنے کا ہے۔

☆......عورت کے حقوق انسانی حقوق ہیں لہٰذا عورت کو اس کے بنیادی حقوق عطا کیے جائیں۔

☆......عورت پر تشدد کو ختم کیا جائے۔

☆......عورت کو بطور جنسی محرک نہ پیش کیا جائے۔

☆......عورت اور مرد میں ہر قسم کے امتیاز کو ختم کیا جائے۔

این جی اوز کے درج بالا مطالبات کی وضاحت ان کے اپنے شائع کردہ مواد سے بخوبی ہوسکتی ہے۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں خواتین محاذ عمل وجود میں آئی' اس میں خواتین کی کئی تنظیمیں اور افراد شامل تھے۔خواتین محاذ عمل کا محرک ایک زنا کیس تھا جس میں ایک پندرہ سالہ لڑکی کو کوڑوں کی سزا سنائی گئی صرف اس لیے کہ اس نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف نچلے طبقے کے ایک آدمی سے شادی کر لی تھی۔ اس سزا نے عورتوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی۔ اب کچھ کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا کیونکہ اس کیس کے بعد عورتوں پر متعدد حملے کیے گئے۔عورتوں کو احساس ہوگیا کہ یہ لڑائی انہیں خود لڑنا ہوگی اور یہ کہ انہیں ایک دوسرے کو تعلیم دینے اور منظم کرنے کی ضرورت ہے تا کہ وہ ہر شعبے میں اپنے خلاف عدم مساوات کے رویے پر غلبہ پاسکیں اور اپنے جائز حقوق حاصل کرسکیں۔ ۱۷

پاکستان میں حقوقِ نسواں کی صورت حال اور این جی اوز کا طرز عمل

اگر غور سے دیکھا جائے تو پاکستانی خواتین کو یورپی خواتین سے کہیں زیادہ حقوق حاصل ہیں۔مخصوص علاقوں اور چند مخصوص لوگوں کے سوا پاکستان میں مجموعی طور پر خواتین کو نہایت احترام، بھرپور تحفظ اور جسمانی محنت ومشقت سے آزادی حاصل ہے۔ پاکستان میں کارکن مردوں کی تعداد کارکن خواتین سے کہیں زیادہ ہے۔گھر کو چلانے کے لیے معاشی ضروریات مرد پوری کرتے ہیں۔خاتون خانہ اور بچوں کی معاشی کفالت اکیلے مرد کے کندھے پر ہوتی ہے۔خواتین کی اکثریت اس ذمہ داری سے مبرا ہے۔مرد بارہ بارہ گھنٹے روزانہ کام کرکے بیوی بچوں کو ہر سہولت مہیا کرتے ہیں۔ پاکستانی مرد کو ظالم، جابر اور حقوق غصب کرنے والا تو کہا جاتا ہے لیکن این جی اوز کی لیڈر خواتین اس بات کا بالکل اعتراف نہیں کرتیں کہ پاکستان میں مرد کو گھر کی معاشی کفالت پوری کرنے کے لیے مشقت کی کتنی سخت چکی میں پسنا پڑتا ہے۔انہیں فیکٹریوں، کارخانوں،

۱۷۔ محمد متین خالد،''انسانی حقوق کی آڑ میں''،ص ۴۶۵

سڑکوں، عمارتوں میں کام کرنے کے علاوہ سرحدوں کی حفاظت کے فرائض بھی انجام دینے پڑتے ہیں۔ فوج، پولیس، کاشت کاری، مزدوری، چوکیداری اور ریڑھیاں لگانے تک ہر کام صرف مرد کرتا ہے۔

پاکستانی مرد نہ صرف گھر چلانے کے لیے معاشی ضرورت پوری کرتا ہے بلکہ وہ بہنوں اور بیٹیوں کی باعزت رخصتی کا بھی ذمہ دار ہے۔ کسی بھی پاکستانی کے لیے بہن اور بیٹی کی باعزت رخصتی اور شادی اور جہیز کے انتظامات میں درپیش مشکلات اور مضمرات کو سمجھنا مشکل نہیں۔ متوسط اور نچلے طبقے کے باپ اور بھائیوں کے لیے بہنوں اور بیٹیوں کی ذمہ داریاں کتنی مشکل ہوتی ہیں اور انہیں یہ ذمہ داریاں نبھانے کے لیے کتنی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی ہے، یہ لیڈران سب کو بھول جاتی ہیں۔ انہیں صرف مردوں کے مظالم یاد رہتے ہیں۔[۱۸]

بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن میں این جی اوز کا کردار

بیجنگ کانفرنس کے انعقاد کے فیصلہ کے بعد سے اقوام متحدہ کی جانب سے ہر ملک کو یہ ہدف دیا گیا تھا کہ وہ پلیٹ فارم فار ایکشن میں دی گئی سفارشات کا جائزہ اس طرح تیار کرے کہ حکومتی کوششوں اور اقدامات کے علاوہ NGOs کی کارکردگی اور ان کی رائے بھی اس جائزہ میں شامل ہو۔ چنانچہ گزشتہ سال جولائی اور اگست میں پاکستان کے چاروں صوبوں میں صوبائی اور پھر اسلام آباد میں قومی سطح پر جائزہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں میں مجموعی طور پر ۳۱۸ اداروں اور افراد نے شرکت کی جن میں ۹۱ این جی اوز کے علاوہ ذرائع ابلاغ، امداد دینے والی ایجنسیوں اور حکومت کے نمائندے شامل رہے۔

قومی سطح پر ایک اور اجلاس اسلام آباد میں (غالباً فروری ۲۰۰۰ء) میں منعقد ہوا جس میں ۱۳۰ نمائندوں نے شرکت کی۔ ایک خصوصی سیشن کی صدارت وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال نے کی۔ اس اجلاس میں بیجنگ کانفرنس کے لیے دیے گئے ایجنڈے پر پاکستان کی جائزہ رپورٹ کا فائنل کرلیا گیا اور یوں یہ بیک وقت ایک سرکاری اور غیر سرکاری دستاویز تیار کر لی گئی۔ اس سارے پراسیس کے دوران تھائی لینڈ میں ایشیائی ممالک کا ایک جائزہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں پاکستان کی طرف سے ایک NGO 'شرکت گاہ' نے شرکت کی تھی۔

'شرکت گاہ' نے اس سارے عمل میں غیر معمولی تحرک اور initiative کی بنا پر کانفرنس کے لیے باقاعدہ Focal Point کی حیثیت اختیار کی ہوئی ہے اور اقوام متحدہ، اس کے مختلف اداروں، حکومت پاکستان اور مختلف NGOs کے درمیان رابطہ کار کا مقام بھی اسے حاصل ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی طرف سے تیار کی گئی جائزہ دستاویز میں 'شرکت گاہ' اور اس سے قبیل کی دیگر NGOs کے نظریات و خیالات کو پوری طرح سمو لیا گیا ہے۔

عالمی کانفرنس اور اس کی سرپرستی میں حکومتوں اور مغرب زدہ NGOs کے عزائم کے بارے میں کوئی غلط فہمی اسلامی تحریک کو کبھی نہیں رہی اور ان حوالوں سے اس کا موقف کسی باخبر آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ محبّ وطن قوتوں کی مخالفت کے باوجود یہ ادارے رفتہ رفتہ اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ گراس روٹ اور بالائی، دونوں

۱۸۔ طارق محمود مرزا: حقوقِ نسواں اور پاکستان کی این جی اوز کی خواتین: ماہنامہ خواتین میگزین اپریل ۲۰۰۷ء، ص ۴۳

ہی سطح پر ان کے اثرات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ملک میں عمومی طور پر لاقانونیت کی بناء پر ہونے والے واقعات اور بیوروکریسی اور ذرائع ابلاغ کی خصوصی سرپرستی نے ان کا کام مزید آسان کر دیا ہے۔

اسلام پسندوں کے لیے راہِ عمل

اس صورتِ حال میں محبّ وطن اسلامی قوتیں کیا حکمت عملی اختیار کریں اس پر گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ سیاسی اور عوامی سطح پر ان افراد اور اداروں اور ان کے عزائم کے بے نقاب کرنے کی کوششیں تو تنظیم کی مختلف سطح پر ہوتی ہی رہی ہیں لیکن یہ محض ایک جہت ہے اور کافی نہیں ہے اس کام کے ساتھ ساتھ ایک طرف مثبت طور پر اپنا ایک ایسا نیٹ ورک تیار کرنا ناگزیر ہے جو روز مرہ زندگی میں عورتوں کے ساتھ ہونے والے زیادتی کے واقعات کا نوٹس لے اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل فراہم کرے۔

اس کے ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ عالمی سطح پر بننے والے ایجنڈے اور اس کی پیش رفت سے ہم پوری طرح اور بروقت آگاہ ہوں تاکہ ہر مرحلہ پر موقف اور حکمت عملی کسی تاخیر کے بغیر متعین کی جا سکے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ (سیکولر لبرل لابی کی نیت اور عزائم سے قطع نظر) ان عالمی کانفرنسوں میں جن عنوانات کے تحت اور جو مسائل زیرِ بحث آرہے ہیں وہ تمام ہی نظریاتی طور پر اسلامی نقطہ نظر سے متصادم نہیں ہیں۔

اس کے برعکس وہ مثبت طور پر اپنی بات کو پیش کرنے کا بھی ایک اچھا موقع فراہم کرتے ہیں اور اگر بھرپور تیاری اور ہم خیال اداروں کی ایک مضبوط لابی کے ساتھ اس پر توجہ دی جائے تو اس میدان میں درپیش چیلنج کا مقابلہ زیادہ بہتر طور پر کیا جا سکتا ہے تاہم اس کے لیے متعدد اقدامات کی ضرورت ہوگی۔

ایک اہم قدم یہ ہے کہ مقامی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر ہونے والی تمام سرگرمیوں میں اپنی شرکت recognition کا راستہ نکالا جائے۔ یہ کام اسی نوعیت کے میدان میں سرگرم اپنی NGOs کی معرفت سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ تاہم یہ ایک نسبتاً طویل اور صبر آزما کوشش کے نتیجہ میں ہی ممکن ہے اور اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا ہوگا کہ ہماری NGOs میدان عمل میں بھرپور سرگرمی کے ذریعہ اپنی شناخت بنا سکیں۔[۱۹]

۱۹۔ سمیحہ راحیل قاضی: بیجنگ پلس فائیو کانفرنس کا تجزیہ، جون ۲۰۰۰ء